© rasailojaraid.com

پروفیسر غلام احمد حریری ایم۔ اے

اسلام کا معاشی نظام

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

صدر گرامی قدر وسامعین باتمکین!

مجھے اسلام کے معاشی نظام پر اظہار خیال کی دعوت دی گئی ہے۔ موضوع زیر بحث کی ہمہ گیری و پہنائی محتاج بیان نہیں۔ میں اس قلیل فرصت میں پہلے یہ عرض کروں گا کہ معاشیات کی حقیقت کیا ہے۔ پھر یہ کہ دیگر نظامہائے معاشی کیا ہیں اور آخر میں یہ کہ اسلام کے معاشی نظام کو دیگر نظاموں کے مقابلہ میں کیا برتری حاصل ہے۔

معاشیات کی حقیقت

یہ فن خاصا قدیم ہے۔ پرانے زمانے کے معاشی افکار زیادہ تر مذہبی تعلیمات قانونی ضوابط یا اخلاقی ضوابط میں شامل ہیں۔ ماہرین آثار قدیمہ نے حمورابی کے بابلی ضابطوں میں معاشیات کے متعلق تفصیلی احکام کا انکشاف کیا ہے۔ بائبل میں حرص اور استحصال بالجبر کے خلاف بہت سے احکام موجود ہیں اور مادی دولت پر ضرورت سے زیادہ توجہ دینے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ یونانی معاشرے کے ارتقا میں بھی معاشیات کا عمل دخل نظر آتا ہے۔ افلاطون نے چوتھی صدی ہجری میں اس نفع اندوزی سے بیزاری کا اظہار کیا تھا جو تجارت کے فروغ کے ساتھ رائج ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی کتاب جمہوریت میں اسی تصور کے مطابق مثالی ریاست کا خاکہ کھینچا تھا۔

ارسطو اپنے پیشرو افلاطون کے مقابلے میں عظیم تر مبصر ثابت ہوا۔ اس کے نزدیک وہی چیزیں حقیقی دولت و ثروت کے اجزاء ہیں جن کی ضرورت زندگی میں پیش آتی ہے۔ کوئی چیز دولت نہیں رہ سکتی۔ اگر وہ ضرورت سے زیادہ مہیا کر لی جائے یا اس کی ساخت کی غرض یہ نہ ہو کہ اسے استعمال کیا جائے۔ جب رومی سلطنت کا شیرازہ منتشر ہوا اور اس کی جگہ یورپ میں جاگیرداری نظام قائم ہوا تو معاشی نظریات کو بھی معاشرے کے

© rasailojaraid:com

© rasailojaraid.com

لیے قالب میں ڈھال لیا گیا۔ ان دنوں جاگیردار امراء برسر اقتدار تھے۔ معاشرہ طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔

اس زمانہ میں مسیحی کلیسا کو پورے یورپ میں تقریباً اقتدار عام کا درجہ حاصل تھا۔ پہلے کی طرح اس زمانے میں بھی معاشی نظریات پیدا ہوئے اور انہوں نے ایک مستقل نظریاتی نظام کی حیثیت سے نہیں بلکہ عام اخلاقی ضوابط کے ایک جزو کی صورت میں نشوونما پائی۔ اس وقت کے بڑے بڑے فضلاء کلیسا سے وابستہ تھے۔ ان کے مابین معاشی نظریات میں بعض اوقات جدال و نزاع رونما ہوتا تھا۔ کبھی پیداوار کے حصوں پر بحث شروع ہو جاتی کبھی یہ سوال سامنے آجاتا کہ دستکار جو قیمتیں وصول کر رہے ہیں۔ وہ کس حد تک مناسب ہیں اور مزدوروں کو جو اجرتیں دی جا رہی ہیں۔ انہیں کس حد تک بجا سمجھا جا سکتا ہے۔

معاشیات کے کلاسیکی نظریات کا اصل بانی ایڈم سمتھ تھا جو سکاٹ لینڈ کا باشندہ تھا۔ اس کی تحریرات نے باقی معیشت دانوں کی تصانیف کے مقابلے میں زیادہ طویل عرصے کے لیے اور زیادہ وسیع اثرات چھوڑے۔ سمتھ کی کتاب "دولت اقوام" کا موضوع بحث یہ تھا کہ کسی قوم کی دولت کیوں کر بڑھائی جاتی ہے۔ اور اسے کیوں کر تقسیم کیا جاتا ہے اور یہی آج کل کی معاشیات کا موضوع بحث ہے۔

کارل مارکس

یہ وہ مفکرین تھے جنہوں نے اٹھارہویں صدی اور انیسویں صدی کے ابتدائی دور میں ایسے نظریات پیش کیے جن سے سرمایہ دارانہ نظام کی حمایت ہوتی تھی۔ جدید اشتراکیت کے نظریہ کا سب سے بڑا داعی کارل مارکس تھا جو ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۸۳ء میں وفات پائی۔ اس نے ایک نئے نظام فکر کی طرح ڈالی جو آگے چل کر ایک زبردست تحریک کی بنیاد بن گیا۔

مارکس یہودی والدین کے ہاں مغربی جرمنی میں پیدا ہوا۔ اس نے جرمن یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی اور اس زمانہ کے مشہور جرمن فلسفی ہیگل کے زیر نگرانی فلسفہ میں ڈاکٹریٹ حاصل کی۔

مارکس بیک وقت ایک فلسفی مورخ ماہر عمرانیات، عالم معاشیات اور زبردست مناظر تھا۔ اس کی تصنیفات موضوعات کے لحاظ سے نہایت جامع اور دقیق ہیں۔

کارل مارکس نے اپنا فکری خاکہ ہیگل سے مستعار لیا مگر اس میں خود اپنے وجدان سے رنگ بھرا۔ اس نے روح کے تصور کو الگ کرتے ہوئے معاشی محرکات کو تاریخی ارتقاء کی بنیاد قرار دیا۔ ہیگل کے نزدیک اگر مؤثر طاقت افکار کی ہے تو مارکس کے نزدیک اصل اور فیصلہ کن قوت صرف مادی ماحول ہے۔ مارکس کے نظریہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطابق پیدائش دولت کے مختلف طریقے ہی کسی دور کی ذہنی اور سیاسی زندگی کا ہیولی تیار کرتے ہیں۔

مارکسی فکر کی اساس یہ ہے کہ اس کائنات کی اصل حقیقت مادہ ہے جو جواہر کے مجموعے سے عبارت ہے عالم میں جو کچھ بھی موجود ہے وہ ان قوانین کا پابند ہے۔ اس طرز فکر کے حامیوں کے نزدیک کسی بالاتر ہستی کا وجود یا اس کی فرمانروائی پر یقین نہ صرف خلاف عقل و فطرت ہے بلکہ انسانیت کے لیے نہایت خطرناک اور مہلک بھی ہے۔ خدا خود کوئی قائم بالذات ہستی نہیں بلکہ اس کے وجود کا اقرار انسان کی عاجزی اور درماندگی کا اعتراف ہے نوع انسانی جب کائنات کے اسباب و اثرات کے وسیع اور پیچیدہ طلسم کو جو غیر محدود زمان و مکان میں پھیلا ہوا ہے سمجھنے سے عاجز آجاتی ہے تو وہ مجبور ہو کر ایک بالاتر ذات کو تسلیم کر لیتی ہے۔ مگر جب انسان طبیعی قوانین کی ان پیچیدگیوں کو حل کرے گا تو پھر اس کے دل میں خود بخود کسی بلند و بالا ذات کا خوف باقی نہیں رہے گا۔ اس لحاظ سے خدا کا وجود دراصل قوانین طبیعی سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔

مارکسی فکر کا پہلا عنصر تاریخ کی مادی تعبیر ہے۔ مارکس کے اس نظریہ کے مطابق کسی عہد کا معاشی نظام ہی تاریخ کے اس عہد میں معاشرتی زندگی کی اصل بنیاد ہے۔ مذہب، تہذیب، فلسفہ حیات، فنون لطیفہ سب اسی کا عکس ہیں۔ یہی نہیں بلکہ تمام انسانی تخیلات و جذبات اسی سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ فکر معاش کی تگ و تاز ہی فطرت انسانی کی نشتر اور غیر محدود تکلیفوں کی شیرازہ بند ہے۔

الغرض مارکس کے نزدیک معاشی نظام حیات انسانی کے سارے مشاہدات کی اصلی خالق ہے۔ لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ پیٹ کے تقاضوں کے علاوہ بھی کچھ اور تقاضے ہیں۔ مگر وہ سب غلط فہمی کا شکار ہیں۔ مارکس نے اسی طرز فکر کو اپنے فلسفہ تمدن اور تاریخ کا سنگ بنیاد قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک زندگی کی تمام قدریں اسی کے توسط سے تخلیق پاتی ہیں۔

رائج الوقت نظامہائے معاشی

یہ ہے معاشی نظریات کی مختصر تاریخ!

اس میں شک نہیں کہ انسان کی معاشی کا مسئلہ عصر حاضر کے ان مباحث میں سے ہے جنہوں نے آج کی دنیا میں عالمگیر انقلابات کو جنم دیا ہے اور عالمی سیاست سے لے کر ایک فرد کی نجی زندگی تک کو متاثر کیا ہے۔ صدیوں سے اس موضوع پر زبانی، قلمی اور حربی معرکے گرم ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وحی الٰہی کی رہنمائی کے بغیر محض عقل کے بل پر اس موضوع کے سلسلے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس نے اس الجھی ہوئی ڈور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے خم و پیچ میں کچھ اور اضافہ کر دیا ہے۔

جزئی اختلافات سے قطع نظر کر کے ہم رائج الوقت نظامہائے معاشی کو تین بڑی قسموں پر تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک سرمایہ دارانہ نظام۔ دوسرا اشتراکی نظام اور تیسرا وہ معاشی نظام جسے اسلام نے پیش کیا ہے

نظام سرمایہ داری

نظام سرمایہ داری کی بنیاد جس نظریہ پر قائم ہے وہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے کمائے ہوئے مال کا تنہا مالک ہے۔ اس کی کمائی میں کسی کا کوئی حق نہیں۔ اسے اپنے مال میں تصرف کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ اگر اخلاقی زاویۂ نگاہ کو چھوڑ کر خالص معاشی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو اس نظریہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تقسیم ثروت کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ وسائل ثروت سمٹ سمٹ کر ایک زیادہ خوش قسمت یا زیادہ ہوشیار طبقے کے پاس جمع ہو جائیں اور سوسائٹی عملاً دو طبقوں میں تقسیم ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا معاشی نظام ایک طرف ساہوکار کارخانہ دار اور زمیندار پیدا کرے گا اور دوسری طرف مزدور۔ کسان اور قرض دار۔

نظام اشتراکی

یہ نظریہ سرمایہ دارانہ نظام سے بالکل برعکس ہے۔ اس تنظیم میں شخصی ملکیت کا وجود ہی نہیں۔ اس لیے روپیہ جمع کرنے اور اس کو کاروبار میں لگانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اشتراکیت اور سرمایہ داری ایک دوسرے کے خلاف دو انتہائی نقطوں پر واقع ہیں۔ سرمایہ داری افراد کو ان کا فطری حق ملکیت ضرور دیتی ہے مگر وہ افراد میں ایک ایسی خود غرضانہ ذہنیت پیدا کرتی ہے جس سے ہر شخص اپنے ذاتی مفاد کے لیے جماعت کے خلاف عملاً جنگ کرتا ہے اور اس جنگ کی بدولت تقسیم ثروت کا توازن بگڑ جاتا ہے اشتراکیت اس خرابی کا علاج کرنا چاہتی ہے مگر وہ ایک صحیح مقصد کے لیے غلط راستہ اختیار کرتی ہے افراد کو شخصی ملکیت سے محروم کر کے بالکل جماعت کا خادم بنا دینا نہ صرف معیشت کے لیے تباہ کن ہے، بلکہ زیادہ وسیع پیمانے پر انسان کی پوری تمدنی زندگی کے لیے مہلک ہے۔ تمدن و معیشت میں انسان کو جو چیز انتہائی قوت کے ساتھ سعی و عمل پر ابھارتی ہے۔ وہ دراصل اس کا ذاتی مفاد ہے۔ یہ انسان کی فطری خود غرضی ہے جس کو کوئی منطق اس کے دل و دماغ کے ریشوں سے نہیں نکال سکتی۔

نظام اسلامی

اسلام کے معاشی نظام کو پیش کرنے سے قبل دو بنیادی حقیقتوں پر روشنی ڈالنا ضروری ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشی مسئلے کی اہمیت

اول یہ کہ اسلام کے معاشی نظام کو اس کے دیگر اجزاء وعناصر سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ دین اسلام ایک کامل ضابطہ حیات ہے۔ دنیا میں مذاہب بہت سے ہیں مگر دین ایک ہی ہے۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم نے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ کے الفاظ سے بیان کیا ہے۔ دنیا کے اکثر مذاہب صرف انفرادی زندگی کے معاملات میں رہنمائی کرتے ہیں بعض اجتماعی زندگی سے علیحدگی اور بے تعلقی پر ابھارتے ہیں۔ بخلافِ ازیں اسلام انسانی زندگی کا نہایت کامل اور منظم لائحہ عمل پیش کرتا ہے۔ حیات انسانی کا کوئی گوشہ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی۔ قومی ہو یا بین الاقوامی۔ معاشی ہو یا سیاسی۔ معاشرتی ہو یا قانونی اسلام کی رہنمائی سے محروم نہیں رہا۔ اس لیے انسان کا معاشی مسئلہ اس کے مسائل حیات میں سے ایک ہے مگر اس کی زندگی کا واحد مسئلہ نہیں ہے۔

اس حقیقت سے مجال انکار نہیں کہ معاشی تقاضے انسانی زندگی میں بڑا اہم مقام رکھتے ہیں۔ اس امر میں جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف اتنا ہے کہ تہذیب وتمدن کی ہر چیز ان تقاضوں کی کرشمہ سازی نہیں بلکہ اس کی تعمیر میں دوسرے عوامل بھی اسی طرح شامل ہیں جس طرح کہ معاشی۔ انسان کو حیات مستعار کی چند گھڑیاں گزارنے کے لیے کھانے کی ضرورت ہے۔ گرمی اور سردی سے بچنے کے لیے لباس درکار ہے۔ سر چھپانے کے لیے وہ مکان کا محتاج ہے مگر یہ ضروریات اس کی ذہنی اور شعوری کیفیات کی تخلیق نہیں کرتیں۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام میں رہبانیت کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ انسان کی معاشرتی ترقی اسلام کی نگاہ میں مستحسن اور کسب حلال ایک فریضہ کا مقام رکھتا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ یہ حقیقت بھی اتنی ہی صداقت رکھتی ہے کہ اس کی نظر میں انسان کا بنیادی مسئلہ معاش نہیں ہے اور نہ معاشی ترقی ہی اس کے نزدیک انسان کا مقصد زندگی ہے۔ معمولی غور وفکر سے یہ حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے کہ کسی کام کا جائز، پسندیدہ یا ضروری ہونا ایک الگ بات ہے اور اس کا مقصد زندگی اور محور فکر وعمل ہونا بالکل جدا چیز ہے۔ اسلامی معاشیات کے معاملہ میں بہت سی غلط فہمیاں انہی دو چیزوں کو خلط ملط کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس لیے پہلے ہی قدم پر اس بات کا صاف ہو جانا ضروری ہے۔

درحقیقت اسلامی معاشیات اور مادی معاشیات کے درمیان ایک بڑا گہرا بنیادی امتیاز ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرق یہ ہے کہ مادی معاشیات میں "معاش" انسان کا بنیادی اور معاشی ترقی اس کی زندگی کا منتہائے مقصود بنتے۔ اسلامی معاشیات میں یہ چیزیں ضروری اور ناگزیر سہی لیکن انسانی زندگی کا اصلی مقصد نہیں ہیں۔ کوتاہ نظری اس جگہ تضاد کا شبہ پیدا کر سکتی ہے لیکن درحقیقت اس کے پیچھے اصلی راز یہی ہے کہ قرآن کریم کی نظر میں تمام وسائلِ معاش انسان کی رہگزر کے مرحلے ہیں۔ اس کی اصل منزل درحقیقت ان سے آگے ہے اور وہ ہے کردار کی بلندی اور اس کے نتیجے میں اُخروی فلاح وبہبود۔ انسان کا اصل مسئلہ اور اس کی زندگی کا بنیادی مقصد انہی دو منزلوں کی تحصیل ہے۔ لیکن چونکہ ان دو منزلوں کو دنیا کی شاہراہ سے گزرے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے وہ تمام چیزیں بھی انسان کے لیے ضروری ہو جاتی ہیں جو اس کی دنیوی زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ چنانچہ جب تک وسائل معاش انسان کی اصلی منزل کے لیے رہگزر کا کام دیں جائز اور مناسب ہیں اور جب ان کو اصلی مقصد قرار دے دیا جائے تو وہ اسلام کی نگاہ میں مذموم ومعیوب ہو جاتے ہیں۔

۲۔ اسلام کا نظریہ ملکیت

اسلام کے معاشی نظام کو سمجھنے کے لیے دوسری بات اسلام کا نظریہ ملکیت ہے۔ دین اسلام انسان کے ذہن میں اس حقیقت کو اتار دینا چاہتا ہے کہ دولت خواہ کسی شکل میں ہو۔ زمین، جائداد، مکان، نقدی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اور اصلاً اسی کی ملکیت ہے۔ انسان کو کسی چیز پر ملکیت کا جو حق حاصل ہوتا ہے۔ وہ اللہ ہی کی عطا سے ہوتا ہے۔ سورۂ نور میں فرمایا:۔

وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اٰتٰىكُمْ

قرآن کریم نے اس کی وجہ یہ تبلائی ہے کہ انسان صرف کوشش کر سکتا ہے۔ لیکن اس کی مساعی کو بار آور کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ انسان کے بس میں اتنا ہی تو ہے کہ وہ زمین میں بیج ڈالے لیکن اس بیج کو کونپل اور کونپل کو درخت بنانا کسی اور ہی کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ

قرآنی آیات اس بنیادی نکتے پر روشنی ڈالتی ہیں کہ دولت وثروت دراصل خدا کی ملکیت ہے۔ عارضی طور پر یہ امانت انسان کو تفویض ہوئی ہے۔ اسلام کی نظر میں چونکہ دولت پر اصل ملکیت اللہ کی ہے اور اس نے انسان کو اس میں تصرف کا حق عطا کیا ہے اس لیے اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس دولت پر انسان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے تصرفات کو اپنے احکام کا پابند بنائے۔ چنانچہ انسان کو ان اشیاء پر ملکیت تو حاصل ہے مگر یہ ملکیت، آزاد، خود مختار اور بے لگام نہیں ہے۔ اس پر دولت کے اصل مالک کی طرف سے کچھ حدود و قیود عائد ہیں سورہ قصص میں فرمایا:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا

اس آیت نے اسلام کے فلسفہ ملکیت کو خوب کھول کر بیان کر دیا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے پاس جو دولت ہے وہ اللہ کی عطا کردہ ہے۔ اور انسان کو اس کا استعمال اس طرح کرنا چاہیے کہ اس کی منزل مقصود آخرت ہو۔ یہی وہ چیز ہے جو اسلام کو سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کے نظریۂ ملکیت سے ممتاز کرتی ہے۔ سرمایہ داری کا ذہنی پس منظر چونکہ مادیت پر مبنی ہے۔ اس لیے اس کے نزدیک انسان کو اپنی دولت پر آزاد اور بے قید ملکیت حاصل ہے۔ شعیب علیہ السلام کی قوم نے یہی نظریہ پیش کیا تھا قرآن کریم نے ان الفاظ میں اس کی تردید کی:

أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ ——— کیا تمہاری نماز اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں یا اپنے مالوں میں حسب مرضی تصرف کرنا ترک کر دیں۔

وہ لوگ چونکہ مال کو حقیقۃً اپنی ملکیت سمجھتے تھے۔ اس لیے جو چاہیں کریں کا دعویٰ اس کا لازمی نتیجہ تھا۔ یہی انداز فکر سرمایہ داری کی روح ہے۔ قرآن کریم نے سورہ نور میں اس کو امو النا کہہ کر سرمایہ دارانہ فکر کی اسی اساس پر کاری ضرب لگائی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی الَّذِي آتَاكُمْ کہہ کر اشتراکیت کی جڑ بھی کاٹ دی جو سرے سے انسان کی انفرادی ملکیت ہی کا انکار کرتی ہے۔

اسلام کا معاشی نظام

اسلام سرمایہ داری اور اشتراکیت کے درمیان ایک معتدل نظام قائم کرتا ہے جس کا اصل الاصول یہ ہے کہ فرد کو اس کے پورے پورے شخصی فطری حقوق بھی دیے جائیں اور اس کے ساتھ ثروت کا توازن بھی نہ بگڑنے دیا جائے۔ ایک طرف وہ فرد کو شخصی ملکیت کا حق اور اپنے مال میں تصرف کرنے کے اختیارات دیتا ہے۔ دوسری طرف وہ ان حقوق اور اختیارات پر باطن کی راہ سے کچھ ایسی اخلاقی پابندیاں اور ظاہر کی راہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسی قانونی حد بندیاں عائد کر دیتا ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ کسی جگہ وسائل ثروت کا غیر معمولی اجتماع نہ ہو سکے۔ ثروت اور اس کے وسائل ہمیشہ گردش کرتے رہیں۔ اس مقصد کے لیے اس نے معیشت کی تنظیم اس انداز سے کی ہے چنانچہ روح اپنے اصول اور اپنے طریق کار کے اعتبار سے سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں سے مختلف ہے۔

اسلام کا معاشی نظام مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ معاشی زندگی میں ہر ہر فرد کا شخصی مفاد اور تمام افراد کا اجتماعی مفاد ایک دوسرے کے ساتھ گہرا ربط رکھتا ہے۔ فرد اگر اجتماعی مفاد کے خلاف جدّ وجہد کر کے جماعت کی دولت اپنے پاس سمیٹ لے اور اس کو جمع رکھنے یا خرچ کرنے میں محض اپنے ذاتی مفاد کو ملحوظ رکھے تو یہ صرف جماعت ہی کے لیے نقصان دہ نہیں ہے بلکہ آخر کار اس کے نقصانات خود اس شخص کی اپنی ذات کی طرف بھی عود کرتے ہیں۔ فرد کی بہتری اس میں ہے کہ جماعت خوشحال ہو اور جماعت کی بہبود اس میں مضمر ہے کہ افراد خوشحال ہوں اور دونوں کی خوشحالی اس پر موقوف ہے کہ افراد میں خود غرضی اور بیدردی کی صحیح تناسب قائم ہو۔ ہر شخص اپنے ذاتی فائدے کے لیے جد وجہد کرے مگر اس طرح کہ اس میں دوسروں کا نقصان نہ ہو۔ ہر شخص جتنا کما سکے کمائے مگر اس کی کمائی میں دوسروں کا حق بھی ہو۔

اسلام کے پیش کردہ معاشی نظام کے امتیازی خدوخال حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حلال وحرام کا امتیاز

اس ضمن میں بنیادی بات یہ ہے کہ اسلام اپنے پیروؤں کو صرف حلال ذرائع سے کسبِ معاش کی اجازت دیتا اور حرام سے روکتا ہے۔ حلال وحرام کے مابین فرق وامتیاز اسلام کے معاشی نظام کی عظیم خصوصیت ہے۔ یہ امتیاز اس اصول پر مبنی ہے کہ دولت حاصل کرنے کے وہ تمام طریقے ناروا ہیں جن میں ایک شخص کا فائدہ دوسرے کے نقصان پر مبنی ہو اور ہر وہ طریقہ جائز ہے جس میں فوائد کا مبادلہ لوگوں کے ساتھ منصفانہ طور پر ہو۔

قرآنِ کریم میں فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ [1]

---

[1] النساء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ انفاق مال

دوسرا ضروری حکم یہ ہے کہ جائز طریقوں سے جو دولت کمائی جائے اس کو جمع نہ کیا جائے کیوں کہ اس سے دولت کی گردش رک جاتی ہے اور تقسیم دولت میں توازن برقرار نہیں رہتا۔ اس لیے قرآن مجید بخل اور قارونیت کا سخت مخالف ہے۔ وہ فرماتا ہے:۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ[۱]

جمع کرنے کے بجائے اسلام خرچ کرنے کی تلقین کرتا ہے مگر خرچ کرنے سے اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ عیش و عشرت سے دولت لٹائی جائے بلکہ وہ خرچ کرنے کا حکم "فی سبیل اللہ" کی قید کے ساتھ دیتا ہے۔ قرآن میں فرمایا:۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ[۲]

یہاں پہنچ کر اسلام کا نقطۂ نظر سرمایہ داری کے زاویۂ نگاہ سے بالکل مختلف ہو جاتا ہے۔ سرمایہ دار سمجھتا ہے کہ خرچ کرنے سے مفلس ہو جاؤں گا اور جمع کرنے سے مالدار بنوں گا۔ اسلام کہتا ہے خرچ کرنے سے برکت ہوگی۔ دولت گھٹے گی نہیں بلکہ اور بڑھے گی۔ ارشاد فرمایا:۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا

سود سے دولت میں اضافہ ہونے کے بجائے گھاٹا آنا۔ زکوٰۃ و صدقات سے دولت میں کمی واقع ہونے کے بجائے اضافہ ہونا۔ یہ ایسے نظریات ہیں جو بظاہر بڑے عجیب معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ نظریات ایک نہایت مضبوط بنیاد پر قائم ہیں۔ دولت کو جمع کرنے اور اس کو سود پر چلانے کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ دولت سمٹ سمٹ کر چند افراد کے پاس اکٹھی ہو جائے۔ جمہور کی قوت خرید روز بروز گھٹتی جائے۔ صنعت و تجارت اور زراعت میں کساد بازاری رونما ہو اور قوم کی معاشی زندگی تباہی کے سرے پر جا پہنچے۔

---

[۱] آل عمران [۲] الذاریات

© rasailojaraid:com

© rasailojaraid.com

۳۔ نظام زکوٰۃ

معاشیات میں اسلام جس مطمحِ نظر کو سامنے رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ دولت کسی جگہ جمع نہ ہونے پائے وہ چاہتا ہے کہ جماعت کے جن افراد کو اپنی قابلیت یا خوش قسمتی کی بنا پر ان کی ضرورت سے زیادہ دولت میسّر آگئی ہو وہ اس کو سمیٹ کر نہ رکھیں بلکہ خرچ کریں اور ایسے مصارف میں خرچ کریں جن سے دولت کی گردش میں سوسائٹی کے کم نصیب افراد کو بھی حصہ مل جائے۔ اس لیے اسلام ایک طرف اپنی بلند اخلاقی تعلیم اور ترغیب و ترہیب کے نہایت موثر طریقوں سے فیاضی اور حقیقی امداد باہمی کی اسپرٹ پیدا کرتا ہے۔ تاکہ لوگ خود اپنے میلانِ طبع ہی سے دولت جمع کرنے کو بُرا سمجھیں اور اسے خرچ کرنے کی طرف راغب ہوں۔

دوسری طرف وہ ایسا قانون بناتا ہے کہ جو لوگ فیاضی کی اس تعلیم کے باوجود اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے روپیہ جوڑنے اور مال سمیٹنے کے خوگر ہوں ان کے مال میں سے بھی کم از کم ایک حصہ سوسائٹی کی فلاح و بہبود کے لیے ضرور نکلوا لیا جائے۔ اسی چیز کا نام زکوٰۃ ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں اس کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ اس کو ارکانِ اسلام میں شامل کر دیا گیا ہے۔ نماز کے بعد سب سے زیادہ اسی کی تاکید کی گئی ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا:-

خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا[1]

آیت کے آخری الفاظ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مالدار آدمی کے پاس جو دولت جمع ہوتی ہے وہ اسلام کی نگاہ میں ناپاک ہے۔ وہ اس وقت تک پاک نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کا مالک اس میں سے ہر سال کم از کم ایک مقرر مقدار میں نہ خرچ کر دے۔ نظام زکوٰۃ مسلمانوں کے لیے بے سود بنکنگ زندگی بیمہ اور پراویڈنٹ فنڈ ہے۔ یہ ان کے بے کاروں کا سرمایۂ اعانت ہے۔ یہ ان کے معذوروں اپاہجوں، بیماروں، یتیموں، بیواؤں اور بے روزگاروں کا ذریعہ پرورش ہے۔ یہ اس بات کی ضمانت ہے کہ مسلم معاشرے میں کوئی شخص ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے۔

۴۔ قانونِ وراثت

ضروریاتِ زندگی اور شرعی واجبات کی ادائیگی کے بعد جو دولت کسی ایک جگہ سمٹ کر رہ گئی ہو اس کو پھیلانے کے لیے اسلام نے ایک اور تدبیر اختیار کی ہے اور وہ اس کا نظام وراثت ہے۔ اس قانون

---

[1] التوبہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا منشایہ ہے کہ جو شخص مال چھوڑ کر مر جائے خواہ وہ زیادہ ہو یا کم اس کو درجہ بدرجہ ایک ضابطہ کے مطابق اقارب میں تقسیم کردیا جائے اور اگر کسی کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کے مال کو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کردینا چاہیے تاکہ پوری قوم اس سے فائدہ اٹھائے۔ تقسیم وراثت کا یہ قانون جیسا اسلام میں پایا جاتا ہے کسی اور معاشی نظام میں نہیں پایا جاتا۔

۵۔ مال غنیمت کی تقسیم

جنگ میں جو مال غنیمت فوجوں کے ہاتھ آئے اس کے متعلق یہ قانون بنایا گیا ہے کہ اس کے پانچ حصے کیے جائیں۔ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کردیے جائیں اور ایک حصہ اس غرض کے لیے رکھ لیا جائے کہ عام قومی مصالح میں صرف ہو۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ [1]

۶۔ خرچ میں اعتدال کا حکم

ایک طرف اسلام نے دولت کو تمام افراد قوم میں گردش دینے اور مالداروں کے مال میں ناداروں کو حصہ دار بنانے کا انتظام کیا ہے۔ دوسری طرف وہ ہر شخص کو اپنے خرچ میں میانہ روی اور کفایت شعاری ملحوظ رکھنے کا حکم دیتا ہے تاکہ افراد اپنے معاشی وسائل سے کام لینے میں افراط و تفریط کی روش اختیار کرکے ثروت کے توازن کو نہ بگاڑیں۔ قرآن مجید کی جامع تعلیم اس باب میں یہ ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ [2]

نیز فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا [3]

اس تعلیم کا منشایہ ہے کہ ہر شخص جو کچھ خرچ کرے اپنے معاشی وسائل کی حد میں رہ کر خرچ کرے نہ اس قدر حد سے تجاوز کر جائے کہ اس کا خرچ اس کی آمدنی سے بڑھ جائے۔ نہ ایسا بخیل بن جائے کہ اس کے معاشی وسائل جس قدر خرچ کرنے کی اس کو اجازت دیتے ہوں۔ اتنا بھی نہ خرچ کرے۔ اسلام نے اس باب میں

---

[1] الانفال [2] بنی اسرائیل [3] الفرقان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف اخلاقی تعلیم دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس نے بخل اور فضول خرچی کی انتہائی صورتوں کو روکنے کے لیے قوانین بھی بنائے ہیں اور ایسے تمام طریقوں کا سد باب کرنے کی کوشش کی ہے جو تقسیم ثروت کے توازن کو بگاڑنے والے ہیں۔ وہ جوئے کو حرام قرار دیتا ہے۔ شراب اور زنا سے روکتا ہے۔ فواحش و منکرات اور لہو ولعب کے جملہ اقسام سے باز رکھتا ہے۔

۷۔ معاشی جد وجہد کی تلقین:

اسلام نے پوری کائنات کو انسان کے لیے میدانِ عمل قرار دیا ہے اور انسان کو ترغیب دی ہے کہ وہ اپنی معاش کے حصول اور خلق خدا کی فارغ البالی کے لیے زیادہ سے زیادہ جد وجہد کرے۔ معاشیات کی اصطلاح میں اسے پیداوار کو بڑھانے (MAXIMISATION OF PRODUCTION) کی پالیسی کہہ سکتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ معیشت میں اصل اہمیت نفع کی تکثیر کو حاصل ہوتی ہے جب کہ اسلامی معاشیات میں کل پیداوار کی تکثیر اور خدا کے بندوں کے لیے سامان معاش کی زیادہ سے زیادہ فراوانی کا حصول بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ [1]

بے عملی، بے روزگاری اور گداگری کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا اور اس پر سخت وعید سنائی گئی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"تمہارے لیے کام کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ قیامت کے دن تم اپنے چہرے پر سوال کا داغ لیے ہوئے ہو [2]"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسب حلال کو فریضة بعد الفریضة قرار دیا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو دیکھا جو خستہ حال تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے؟ انہوں نے بتایا دو درہم ہیں۔ آپ نے ان میں سے ایک درہم کی کلہاڑی خریدی اور لکڑیاں کاٹنے پر لگا دیا۔ اس طرح آپ نے محنت کی ترغیب دلائی۔

اسلام تنگی کو دور کرنے کا طریقہ حصول رزق کی کوشش اور پیداوار بڑھانے کے لیے ذرائع کی طرف رجوع قرار دیتا ہے اور محض غربت افلاس معیارِ زندگی کے گرنے کے خطرے اور قلت وسائل کے واویلے

---

[1] الاعراف [2] ابوداؤد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے انسان کشی کی اجازت نہیں دیتا۔ معاشی مسئلے کا اصل حل معیشت کو فروغ دینا ہے۔ انسان کی قطع و برید نہیں۔ قرآن میں فرمایا۔

وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا

اسلامی نظام معیشت کے ثمرات و نتائج

دین اسلام نے معاشی نظام کا جو تصور دیا تھا وہ صرف نظریات تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ دنیا نے اسے آزمایا اور ایک مجرب نسخہ کی طرح صحیح پایا۔ اسلامی حکومت نے ابتداء ہی سے اس نظام کو عملاً قائم کیا۔ آبادی کی مردم شماری کی۔ ناداروں کے رجسٹر بنائے۔ ضرورت مندوں کو سرکاری وظیفے دیئے اور تھوڑے ہی عرصے میں یہ حال ہو گیا کہ بقول طبری :۔

"زکوٰۃ دینے والے تو سینکڑوں تھے مگر زکوٰۃ لینے والے نہ ملتے تھے" مسلمان تو الگ رہے اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندے تک اسلام کے معاشی نظام سے فیض یاب ہوئے ذمی عورتیں بچے، غلام نادار، بیکس اور ضعیف اور معذور ذمی بیت المال سے وظیفے پاتے تھے۔ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ایک ضعیف العمر یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو پوچھا کہ بھیک کیوں مانگتے ہو۔ اس نے جواب دیا اپنی ضروریات اور جزیہ کی رقم ادا کرنے کے لیے۔ آپ اسے ساتھ لے گئے اور کچھ رقم پیش کی۔ پھر نہ صرف اس ذمی کا جزیہ معاف کر دیا بلکہ بیت المال سے اس قسم کے معذور ذمیوں کا وظیفہ مقرر کر دیا۔[۱]

"یرموک کے معرکے میں جب مسلمان حمص کے ذمیوں کی حفاظت سے معذور ہو گئے تو جزیے کی کل رقم واپس کر دی۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے شام کے تمام مفتوحہ علاقہ کے حکام کو لکھا کہ جتنا جزیہ وصول کیا جا چکا ہے۔ واپس کر دیا جائے۔"[۲]

اسلام ریاست کے معاشی وظائف کا بھی ایک مثبت تصور پیش کرتا ہے اور سماجی فلاح اور معاشی انصاف کے قیام کو اس کی اولین ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ معاشی قانون سازی اور عدلیہ کی طاقتوں کے ذریعہ ریاست عدل اجتماعی قائم کرتی ہے۔ جس کا کوئی وارث نہیں۔ اس کی ریاست وارث ہے اور

---

[۱] کتاب الاموال لابی عبید ص ۵۴ [۲] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کا کوئی ولی نہیں اس کی ریاست ولی ہے۔ ناداروں، اپاہجوں اور محتاجوں کی مدد ریاست کا فرض ہے اور یہ بھی اس کی ذمہ داری ہے کہ تمام شہریوں کو ان کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

مَنْ تَرَكَ كَلًّا فَإِلَيْنَا کہ جس مرنے والے نے ذمہ داریوں کا بوجھ چھوڑا ہو وہ ہمارے ذمہ ہے،

جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

"خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو صنعاء کی پہاڑیوں میں جو چرواہا اپنی بکریاں چراتا ہے اس کو اس مال میں سے حصہ پہنچے گا اور اس کے لیے اس کو کوئی زحمت نہیں اٹھانی پڑے گی۔ خدا کی قسم اگر اہل عراق کی بیواؤں کی خدمت کے لیے زندہ رہ گیا تو ان کو اس حال میں چھوڑ جاؤں گا کہ میرے بعد ان کو کسی اور امیر کی مدد کی احتیاج باقی نہ رہے گی۔"

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

"جب زکوٰۃ اجتماعی ضرورتوں کو پورا نہ کر سکے اور بیت المال بھی اس کا متحمل نہ ہو سکے تو پھر نظام اسلامی کی رو سے ہر شہر کے باشندوں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقے کے حاجت مندوں کی غذائی اور معاشی ضرورتوں کو پورا کریں۔"[1]

"انسان تو الگ رہے سلطان صلاح الدین نے المرج الاخضر کے نام سے ایک چراگاہ بیمار اور ناکارہ حیوانات کے چرنے کے لیے وقف کی تھی۔ بچوں کی پرورش کے لیے دمشق کے قلعہ میں بچوں کے لیے دودھ اور چینی مفت مہیا کرنے کے لیے نقطۃ الحلیب کے نام سے دودھ کا ایک مرکز قائم کیا تھا۔"[2]

یہ ہے اسلام کا معاشی نظام! درحقیقت انسانیت کی نجات اس میں مضمر ہے۔ اس نظام کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ اس کا مرکزی تصور انسان کی معاشی اور اخلاقی فلاح ہے۔ یہ معاشی ترقی کو بام عروج تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ سماجی انصاف آزادی اور اخلاقی ترقی کو اولیں حیثیت دیتا ہے۔ اسی لیے یہ معاشی نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں سے اپنے مقصد، اپنے مزاج اور اپنے اصولوں کے

---

[1] المحلی جلد ۶ ص ۱۵۶ [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعتبار سے مختلف ہے اور ہر حیثیت سے ان سے اعلیٰ اور برتر ہے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اس نظام کو جو لوگ نجات دہندہ نہیں سمجھتے اور اپنے فقر و فاقہ کے ازالہ کے لیے دوسرے نظاموں کے پیچھے رواں دواں ہیں۔ ان کی خدمت میں صرف یہ عرض کر سکتا ہوں کہ:

ترسم کہ بکعبہ نرسی اے اعرابی
کیں راہ کہ تو می روی بترکستان است

مصادر و مآخذ

۱۔ علماء کے معاشی نظریات — ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ اختر

۲۔ معاشیاتِ اسلام — سید ابوالاعلیٰ مودودی

۳۔ اسلام کا اقتصادی نظام — مولانا حفظ الرحمٰن

۴۔ اسلام اور دولت — مفتی محمد شفیع

۵۔ الفاروق — مولانا شبلی

۶۔ تاریخ ابن جریر — طبری

۷۔ کتاب الاموال — ابو عبید قاسم بن سلام

۸۔ فتوح البلدان — بلاذری

۹۔ صحیح بخاری

۱۰۔ صحیح مسلم

۱۱۔ محلّی ابن حزم

۱۲۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد اول

© rasailojaraid.com